OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 2 (April-June 2021)

خواجہ فخر الدین دہلوی: خدمات اور سماجی اثرات
(*Khwājah Fakhr-ud-Dīn Dehlavī:* Services and Social Impact)

Sadia Noreen
Lecturer in Islamic Studies, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur
Dr. Humayun Abbas
Professor of Islamic Studies, GC University, Faisalabad
Muhammad Amir Hamza
Assistant Professor of Islamic Studies, Govt. Moulana Muhammad Zakir Associate College Amin Pur Banglow, Chiniot

Abstract

This article studies *Khwājah Fakhr-ud-Dīn Dehlavī's* (1717-1784) services and their impact on the society. It explores that *Dehlavī* worked hard to promote the accurate Islamic teachings based on Quran and Sunnah of the Prophet. He revealed the awareness of what true faith and what the believer's relationship with his Lord was! He tried his best to save the society from instability by creating interfaith and intra-faith harmony. He conveyed his message to the royal palaces and apprised the rulers of their weaknesses. He authored several books on reforming beliefs and morals of the masses. He brought Shia sect closer to him. His hard work greatly helped to confiscate intolerant attitudes from the society.

Key Words: *Khwājah Fakhr-ud-Dīn Dehlavī,* services, impact

تمہید

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا اور زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا پھر اس کی ہدایت اور تزکیۂ نفس کے لیے پے درپے اپنی پسند دیدہ ہستیوں کو بھیجا، پیغمبرانِ عظام کا یہ سلسلہ نبی رحمت ﷺ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہو گیا۔ اب انبیا کے اس منشور کی ذمہ داری امتِ مصطفیٰ کے علما و اولیا پر ہے۔ چنانچہ صوفیۂ کرام نے انبیا کی اس وراثت کو لوگوں تک پہنچانے اور اصلاح معاشرہ اور تزکیۂ نفس کا کام احسن طریقے سے بجالانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انھی صوفیہ میں سے ایک نمایاں شخصیت خواجہ فخر الدین

CC BY

دہلوی(1717ء-1784ء) آف اورنگ آباد ہیں۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی نے آپ کا نام فخر الدین رکھا اور اپنا ملبوس نومولود کو عطا کیا، ساتھ ہی ساتھ بچے کی ولایت کی خوشخبری دی۔ خواجہ فخر الدین کی پیدایش کے وقت شاہ کلیم اللہ نے شاہ نظام الدین کو جو خط لکھا، وہ ساری زندگی شاہ فخر الدین نے سنبھالے رکھا۔ آپ باپ کی جانب سے صدیقی اور ماں کی جانب سے سید تھے۔ آپ کی والدہ حضرت گیسو دراز کی اولاد میں سے تھیں۔ آپ کا لقب محب النبی تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ آپ کے والد نے اپنے مرشد کی ہدایت اور پیشین گوئی کی وجہ سے شاہ فخر الدین کی تعلیم و تربیت کا خاص طور پر بندوبست کیا۔ چنانچہ آپ نے میاں محمد جان کے پاس فصوص الحکم، صدرا، اور شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں۔ وہ خود شیخ اکبر کے فلسفہ پر عبور رکھتے تھے، اور فلسفہ وحدت الوجود کے ماہر تھے۔ آپ نے ہدایہ مولانا عبد الحکیم صاحب کے پاس پڑھی، جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت انسان تھے۔ امیر خورد نے ان کے توکل اور تبحر علمی کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا: "بزرگ خوب عالم بود۔ در علم فقہ مہارت داشت و ہم توکل بدرجہ اتم بود۔"[1] شاہ فخر الدین دہلوی نے سند حدیث دکن کے ایک مشہور محدث حافظ اسعد الانصاری المکی سے حاصل کی۔ آپ نے کچھ کتابیں اپنے والد گرامی سے پڑھیں، جن میں شرح وقایہ، مشارق الانوار، نفحات الانس وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ علوم کے علاوہ شاہ صاحب نے دیگر علوم و فنون سے بھی واقفیت حاصل کی۔ جن میں طب، تیر اندازی اور فنون سپاہ گری کی مہارت وغیرہ شامل ہیں: "ذات پاک کہ جامع جمیع علوم و فنون اند کہ دریں فن (سپاہ گری) ہم مہارتے تمام داشتند۔"[2]

شاہ نظام الدین کو اپنے بیٹے سے بہت محبت تھی۔ ہمہ وقت ان کی اصلاح باطن میں متوجہ رہتے۔ شاہ نظام صاحب کے انتقال کے وقت شاہ فخر کی عمر 16 برس تھی۔ آپ نے اپنے آخری وقت میں بیٹے کو سینے سے لگایا اور روحانی دولت سے مالا مال کر دیا۔ باپ کے وصال کے بعد تین سال تک شاہ فخر نے سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ زیر نظر مقالے میں سلسلہ چشتیہ کے اس عظیم صوفی اور ولی کامل کی تزکیۂ نفس اور اصلاح معاشرہ کے لیے خدمات اور ان کے سماجی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

سماجی خدمات

خواجہ فخر الدین دہلوی نے جس وقت میں سماجی خدمات کا کام دہلی میں شروع کیا اس وقت دہلی کے حالات یکسر بدل چکے تھے۔ یہ محمد شاہ کا زمانہ تھا، جس میں ہر طرف قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا۔ نادر شاہ کا قتل ہو چکا تھا۔ سکھ، جاٹ اور مرہٹے لوٹ مار میں مصروف عمل دکھائی دیتے تھے، اور قطب الدین ایبک اور التمش کا دور تابناک آخر کار محمد شاہ کے وقت میں دہلی کو خیر باد کہہ رہا تھا؛ اور مسلمانوں کا سیاسی انحطاط و زوال اپنی داستان رقم کر رہا تھا۔ عین اسی وقت میں دہلی میں دو خانقاہیں انقلابی تحریکوں کے ساتھ زور آزما تھیں۔ ایک مدرسہ رحیمیہ کہ جہاں شاہ ولی اللہ مسند نشین ہیں تو دوسرا اجمیری دروازہ جہاں ایک نو عمر شخص پوری علمی و روحانی تابناکیوں کے ساتھ اپنے جوہر دکھا رہا تھا۔ یہ فخر الدین دھلوی تھے۔ خواجہ فخر الدین دہلوی میں اپنے باپ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کا رنگ ظاہر تھا۔ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ آپ کی سماجی خدمات کا اثر یہ ہوا کہ شاہی محلات سے لے کر جھونپڑیوں میں رہنے والے غربا تک لوگ آپ کے حلقۂ دروس میں شامل ہوئے اور یوں کڑی سے کڑی ملتی گئی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

---

[1] خواجہ گل محمد احمد پوری، تکملہ سیر الاولیاء (دہلی: مطبع رضوی، 1312)، 108۔

[2] نظام الملک، مناقب فخریہ (دہلی: مطبع یوسفی، 1315ھ)، 21۔

دعوتی و تبلیغی خدمات

شاہ کلیم اللہ دہلوی کی طرح شاہ فخر الدین دہلوی کا نظام تبلیغ بھی نہایت مربوط اور مرکز سے متصل تھا۔ اپنے زمانے میں معاشرے میں موجو دبُرائی کا جڑ سے قلع قمع کرتے اور اس سلسلے میں شاہ نظام کے دیے ہوئے اصولوں پر چلتے۔ آپ کا نظریہ بین المذاہب ہم آہنگی میں ایسا تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہندوؤں کو ذکر بتاؤ اور تبلیغ کرو۔ اس بات کا انتظار نہ کرو کہ پہلے مسلمان ہو جائیں پھر ہم ذکر بتائیں گے۔ اور فسادات سے بچنے کے لیے آپ ہندوؤں کے مسلمان ہونے کے بعد تقیہ کرنے کے معاملے میں خاموش ہو جاتے کیونکہ آپ کے پاس ایک ہندو عورت نے اسلام قبول کر لیا اور پھر علی الاعلان چرچا بھی کر دیا تو اس کے ثمرات بد اس قدر پھیلے کہ ایک خانہ جنگی کی فضا قائم ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے معاشرے کے اس رویہ کو جانا اور حکم دیا کہ تقیہ کرنا اس وقت میں بہتر ہے مگر شرط یہ ہے کہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کی کیفیت سے نہ نکلے وگرنہ مرتد ہو جائے گا۔ فرمایا کہ: "ذکر خود اور ادر ربقه اسلام خواہد کشید۔"[3] آپ کی اس حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ ان گنت ہندو آپ کے دست اقدس پر مسلمان ہوئے۔ نور الدین فخری نے ان میں سے اکثر ہندوؤں کا نام بھی درج کیا ہے: "ہندوے آمد که از مدتیے در طریقے شامل شده است و نمازهم با خفا می گذارد گویا از یاران است۔"[4]

شاہ فخر الدین کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ قرآنی اصول تبلیغ "لا اکراہ فی الدین" پر کاربند رہتے ہوئے چلتے اور دوسرا اصول یہ اپناتے کہ ہندوؤں کی کتب سے جہاں وید میں وحدانیت خداوندی اور رسالتِ محمدی کا ذکر ہوتا اسے بیان فرماتے چنانچہ اس ضمن میں وہ قرآن مجید کے درج ذیل اصول پر کاربند نظر آتے ہیں: "**قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ**۔[5] "فرمادیجیے! اے اہل کتاب آؤ اس ایک کلمہ (توحید) کی طرف جو آپ میں اور ہم میں مشترک ہے۔" دوسری جانب شاہ صاحب کے زمانے میں سکھوں اور جاٹوں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ دہلی کا ہر خاندان ہراساں اور پریشان نظر آتا تھا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر بھی شاہ صاحب نے حکومت کی طرف پہلے رجوع کیا اور مسلح مزاحمت سے اس وقت تک گریز کیا جب تک کہ بادشاہ وقت کو باقاعدہ تنبیہ نہ فرمائی۔ چنانچہ یہ بھی صوفیہ چشت کا ایک اصول رہا ہے کہ پر امن طریقے سے معاشرے میں فسادات کو حکومت وقت کے تعاون سے ختم کرنے کی مساعی کی جائیں، وگرنہ خود میدان میں اترا جائے۔ اس اصول کو اگر دیکھا جائے تو موجودہ زمانے میں جو دہشت گردی کا دور دورہ ہے اس کی کوئی گنجائش صوفیۂ چشت کے ہاں نہیں۔ موجودہ دور میں جو جماعتیں دہشت گردی پھیلا رہی ہیں ان کو صوفیہ چشت کے اس اصول کی طرف آنا چاہیے کہ اپنے تحفظات حکمرانِ وقت کو بتائیں اور حکمرانوں سے ان کا حل لیں۔ اس کا یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ اپنے نظریات کی ترویج میں مسلح بغاوت کی جائے۔

بین المسالک ہم آہنگی میں شاہ صاحب کی کوششیں

شاہ صاحب کے زمانے میں شیعوں کا اقتدار ہندوستان پر بڑھ چکا تھا۔ سنی علما پر سختی کی جارہی تھی اور ان کے لیے پُر امن زندگی ناممکن بن چکی تھی۔ اس دور میں شیعہ اور سُنی فسادات کا ہمیشہ خطرہ رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت مظہر جان جاناںؒ کو ایک ایرانی شیعہ نے

---

[3] شیخ احمد سرھندی، مکتوبات امام ربانی (کراچی: دار الاشاعت، 2006ء)، مکتوب نمبر 10۔

[4] سید نور الدین حسینی، فخر الطالبین (مطبع دہلی: 1300)، 68۔

[5] آل عمران 3: 64۔

شہید کر دیا تھا۔ شاہ صاحب وحدت ملی کے بہت بڑے داعی تھے اور ہمہ وقت ان دو مسالک کے درمیان خلا کو کم کرنے کی کوششیں میں رہتے۔ جس شیعہ شخص نے حضرت مظہر جان جاناں کو شہید کیا تھا اُسی نے شاہ صاحب کو شہید کرنے کی کوشش کی مگر آپ کے گرد ہر وقت مریدین کا تانتا بندھا رہتا۔ آخر ایک بار وہ آپ کی مجلس میں آیا اور اپنے ارادہ بد سے توبہ کر کے اٹھا۔ شاہ صاحب شیعوں میں بھی جاتے اور اپنا کام کرتے۔ بہت سے شیعہ آپ کے مرید بھی ہو گئے۔ شاہ عبد العزیز دہلوی نے ایک بار شیعوں میں آنے جانے کی وجہ پوچھی تو شاہ فخر الدین نے فرمایا: ازایں جیت از سبب وتبرا باز می آیند۔[6] "اس طرح وہ سب وشتم اور تبرا سے باز آ جاتے ہیں۔" لہٰذا میں ان کی طرف محبت و بے تکلفی سے آگے بڑھتا ہوں۔ بین المسالک ہم آہنگی میں پیش پیش رہتے ہوئے شاہ فخر الدین کو ہر وقت شدید مخالفت کا سامنا رہتا تھا۔ اور ایسی خطرناک اور بے یقینی کی صورتحال میں آپ تقیہ کرنا لازم سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: گویند که در مذہب شیعه تقیه روا است من گویم که فقیر لازم است۔[7] "کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ میں تقیہ روا ہے، جب کہ میں کہتا ہوں کہ فقیر کے لیے یہ لازم ہے۔"

امرا و سلاطین کی اصلاح اور شاہ

کسی بھی معاشرے میں سماجی رویوں کے بننے اور اختیار کیے جانے میں امرا و سلاطین اہم کردار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کی بصیرت یہ ہے کہ آپ اس اصول کو جانتے تھے کہ اگر امرا کی اصلاح ہو جائے تو سماجی رویوں کی اصلاح میں آسانی اور بہتری ہو جائے گی۔ لیکن آپ نے بیک وقت اس طبقے کے لیے دو اصول اپنائے۔ ایک تو صوفیۂ چشت میں سے متقدمین کا غنا کا اصول اپنایا تھا اور دوسرا ان کی اصلاح کے لیے ہر چند گامزن رہے۔ چنانچہ آپ کے وقت کے امرا و سلاطین اور یہاں تک کہ شاہی خاندان کے لوگ بھی آپ کے مریدین میں شامل تھے، لیکن اصول غنا کو شاہ صاحب نے ہاتھ سے نہ جانے دیا: از اغنیاء ملا قات بکمال استغناء دارند۔[8] "اغنیا سے ملاقات میں استغنا کرتے تھے۔" سر سید احمد خان نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ جتنے امرا، ذوالاقتدار اور سلطان عہد تھے سب آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ ہی کی خاک در کو وسیلہ آبرو جانتے تھے اور آپ ہی کے غبار آستان کو تاج و عزت و اعتبار سمجھتے تھے۔[9] آپ نے غنا کی دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ چنانچہ ظل سبحانی اور وہ امرا جو اُن کے معتقد تھے، انھوں نے ایک مرتبہ پورا دیہات اور اس کی ملحقہ زمین قبول کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے انکار فرما دیا:

> حضرت ظل سبحانی و امرائے مرید و معتقد تمنائے قبول دیہات نمودند قبول نه فرمودند، وارشاد کردند که اگر خواهند که ماوریں شہر باشیم یا دیگر ایں حرف تمنا بمیاں نیاید۔[10]

---

[6] قاضی بشیر الدین میرٹھی، ملفوظات شاہ عبد العزیز (دہلی: مطبع مجتبائی، 1314ھ)، 29۔

[7] حسینی، فخر الطالبین، 52۔

[8] حسینی، فخر الطالبین، 8۔

[9] سید احمد خان، آثار الصنادید، (مطبوعہ دہلی: 1956)، 32۔

[10] نظام الملک، مناقب فخریہ، 33۔

حضرت ظل سبحانی اور امرانے جو مرید و معتقد تھے نے دیہات (گاؤں) قبول کرنے کی درخواست کی۔
آپ نے قبول نہ کیے اور فرمایا اگر چاہیں تو چھوڑ جائیں ورنہ یہ خواہش دوبارہ نہ کریں۔

بادشاہ وقت اس بات کا خواہاں رہا کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں، لیکن آپ کبھی نہ گئے۔ ایک بار اصرار کرنے پر تشریف لے گیے تو وہاں کھانا کھانا پڑا۔ وہاں سے واپسی پر اس کراہ کا تدارک اس طرح کیا کہ فقرا اور درویشوں کے مکانات پر تشریف لے گیے اور اُن کے ساتھ کچھ کھانا کھایا اور فرمایا کہ نفس کو مارنے کے لیے یہ صحبت بادشاہوں کی صحبت سے بہتر ہے کہ جہاں نفس پروان چڑھتا ہے۔[11] نواب ضابطہ خاں ایک مشہور سردار تھا۔ وہ آپ کے مریدین میں سے تھا۔ اس نے غیاث گڑھ کے علاقے میں کئی دیہات نذر کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے صراحت کے ساتھ انکار فرمادیا۔

شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت اس قدر تھی کہ آپ جانتے تھے کہ بادشاہ وقت اگر امرا و سلاطین کے ساتھ اپنے تعلقات خوش گوار رکھیں تو معاشرے میں امن رہے گا اور اس ضمن میں ہمیشہ کوشاں بھی رہتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ وقت کو تنبیہ فرماتے اور وقت کے سلاطین و امرا بھی آپ کے مریدین میں سے تھے اور خیر النساء بیگم بھی آپ سے بیعت تھی۔ چنانچہ دونوں طرف بحیثیت شیخ حکم فرماتے۔ آپ کی ان مساعی کی وجہ سے دہلی کے حالات کچھ بہتری کی طرف آئے۔ جب بھی آپ شاہ عالم اور امرا میں تندی دیکھتے تو خود میدان عمل میں اتر کر معاملات کو حل فرماتے۔ چنانچہ بادشاہ کو نواب ضابطہ خاں سے بدظن کیا گیا جس کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ تو شاہ صاحب نے خود بادشاہ کی ناراضگی کو دور کر کے معاشرے کو بے اعتدالی اور بدامنی سے بچایا۔[12]- ایک مرتبہ Alexander Seton سے شاہ عبد العزیز دہلوی کا جھگڑا ہوا تو بھی شاہ صاحب نے صلح کروائی۔[13]

دہلی کے سیاسی مسائل کے حل کی کوششیں

دہلی سلطنت کے سیاسی مسائل کے حل میں شاہ صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے جو اقدامات کیے وہ تاریخ میں آج بھی نمایاں ہیں۔ شاہ صاحب نے بادشاہ وقت اور امرا و سلاطین کے مابین کشمکش کو سیاسی مسائل کی بنیادی وجہ قرار دیتے ہوئے دونوں کی رشد و ہدایت اور خیر و اصلاح کا کام کیا۔ آپ نے ان سیاسی انحطاط و زوال کے اوقات میں کلمہ حق بلند کیا اور بادشاہ وقت کو تنبیہ فرمائی کہ جب تک بادشاہ وقت خود محنت نہیں کرے گا حالات دگرگوں رہیں گے۔[14] آپ نے اپنی سیاسی بصیرت سے بادشاہِ وقت کو یہ بھی تنبیہ فرمائی کے اگر امرا و سلاطین کو امور بادشاہت میں نائب رکھا جائے گا تو ان کے مخالفین امرا اس سے ناخوش ہو کر بدامنی کی طرف آئیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: اگر امیرے مامور و مختار و نائب سلطنت نما ید امرائے دیگر ناخوش می شوند پس اول مقدم ایں است کہ آنصاحب بذات خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔[15] "اگر امیر کو مامور و مختار اور نائب سلطنت بنایا جائے گا تو دیگر امراء ناخوش ہوں گے لہٰذا اول اور مقدم

---

[11] نظام الملک، مناقب فخریہ، 34۔

[12] نظام الملک، مناقب فخریہ، 56۔

[13] محمد اختر مرزا، مناقب فریدی (دہلی: مطبع احمدی، 1314ھ)، 36۔

[14] خواجہ گل محمد، تکملہ سیر الاولیاء، 117۔

[15] خواجہ گل محمد، تکملہ سیر الاولیاء، 118۔

بات یہی ہے کہ بادشاہ خود محنت سے کام لے اور امور سلطنت کو سنبھالے۔"اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ صاحب کا یہ کلمہ حق بادشاہت کے ایوانوں سے لے کر غربا کی جھونپڑیوں تک دلوں میں گھر کر گیا۔

علمی و تدریسی خدمات

شاہ فخر الدین دہلوی نے اجمیری دروازے کے مدرسے میں اس وقت میں تدریسی کام شروع کیا جب معاشرے میں علم حدیث کے حصول کی بجائے لوگ بدعات کی طرف متوجہ تھے۔ آپ نے عین اس وقت میں اشاعتِ حدیث کا فریضہ سر انجام دیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف کے دروس اور مشکوٰۃ شریف کے دروس آپ کا مشن بن چکا تھا۔[16] بعض شاگردوں کو آپ ابتدائی کتب پڑھاتے جب کہ بعض کو میزان الصرف سے لے کر بخاری تک پڑھاتے۔ سفر السعادات کے مطالعہ کے دوران فرمانے لگے کہ مہر بدیع الدین بخاری پڑھ رہے ہیں اور سید احمد مسلم شریف پڑھ رہے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ سفر السعادات کسی شاگرد کو پڑھاؤں۔ چنانچہ صاحب مناقب فخریہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور شاہ صاحب سے یہ کتاب پڑھی۔[17] آپ کی اس خانقاہ میں دور دور سے طلبہ آتے اور علوم کے حصول کے بعد معاشرے کی اصلاح میں مصروف عمل ہو جاتے۔ چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی جیسے سپوت اس خانقاہ کے مرہون منت ہیں۔ آپ کے وقت میں دہلی میں دو مدارس تھے: مدرسہ اجمیری دروازہ اور مدرسہ رحیمیہ۔ مدرسہ اجمیری دروازہ میں شاہ فخر الدین دہلوی موجود تھے۔ آپ کے مدرسے میں تصوف اور باطن وسلوک کا رنگ غالب تھا۔ اور مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ علوم ظاہر و باطن پر زور دیتے ہوئے ایک زبردست انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے میں مصروف عمل تھے۔ شاہ صاحب کا علمی ذوق کچھ ایسا تھا کہ قرض بھی ہاتھ آجاتا تو کتابیں خرید لیتے:

> مگر کتب ہارا که حضرت صاحب بسیار دوست می دارند، واگر قرض ہم بدست آید خرید می فرمایند و بفضل الہٰی، اکنوں کتاب خانه بسیار درسرکار است۔[18]
>
> "لیکن کتابوں کو حضرت صاحب بہت زیادہ دوست رکھتے تھے اگر قرض بھی ہاتھ آجاتا تو کتابیں خرید لیتے تھے بفضل الٰہی سرکار کے کتب خانے میں بہت سی کتابیں تھیں۔"

کبھی حدیث بیان فرماتے تو کبھی عوارف المعارف اور فوائد الفؤاد سے اتنا عشق تھا کہ سینے سے لگی رہتی۔

تصنیفی خدمات

اس وقت میں معاشرتی رویوں کی اصلاح کے ضمن میں عقائد و تصوف پر کام کرنے کی بہت ضرورت تھی، آپ نے اس ضمن میں تین کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کی ترویج و اشاعت کی: نظام العقائد، رسالہ مرجیہ اور فخر الحسن۔

نظام العقائد

نظام العقائد علم عقائد پر ہے۔ آپ نے اس میں نہایت عمدگی اور اختصار کے ساتھ عقائد اسلامی کو بیان کیا۔ اس کتاب کی وجہ

[16] حسینی، فخر الطالبین، 22۔

[17] نظام الملک، مناقب فخریہ، 31۔

[18] حسینی، فخر الطالبین، 96۔

تصنیف یہ بتائی کہ پاک پتن میں حاضری کے دوران آپ نے لوگوں کے عقائد میں توہمات کو دیکھا تو ارادہ فرمایا کہ عقائد کے بگاڑ میں اصلاح کے لیے ایک کتاب لکھی جائے جس میں بنیادی عقائد اسلامیہ کی تشریح بیان کی جائے اور لوگوں کے عقائد میں بگاڑ کو ختم کیا جائے۔ یہ کتاب عمارت علمی پر دلیل قاطع اور برھان ساطع ہے۔[19] اس کتاب میں عقائد اہل سنت اور فقہی اعتبار سے فقہ حنفیہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

رسالہ مرجیہ

رسالہ مرجیہ میں شاہ صاحب نے اس مغالطے کو ختم کیا ہے کہ غنیۃ الطالبین شیخ عبد القادر جیلانی کی کتاب نہیں۔ آپ نے اس کتاب کے ایک قول کی شرح میں رسالہ مرجیہ تصنیف کیا اور اس بات کو ثابت کیا کہ یہ کتاب شیخ عبد القادر جیلانی ہی کی ہے۔ لیکن اس ایک قول کا مطلب وہ نہیں جو بیان کیا جاتا ہے۔ اور مذہب حنفیہ میں رحمتِ خداوندی کو غالب رکھا جاتا ہے اور اس قدر کے مضمونِ غضب کو فراموش نہیں کیا جاتا۔

فخر الحسن

یہ کتاب شاہ صاحب نے سلسلہ چشتیہ سے متعلق شاہ ولی اللہ کے ایک قول کی تردید میں لکھی۔ انتباہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا تھا کہ سلسلہ چشتیہ حضرت علی تک متصل نہیں ہے۔ اور اپنے اس قول کی تائید میں کلام کیا کہ حضرت حسن بصری کی عمر بہت کم تھی حضرت علی کے زمانے میں اور آپ کی حضرت علی سے ملاقات بہ اعتبار تاریخ ثابت ہی نہیں۔ شاہ فخر الدین دہلوی نے اس قول کی تردید میں نہایت محدثانہ کلام کیا اور ثابت کیا کہ حضرت حسن بصریؒ کو حضرت علیؓ سے خلافت عطا ہوئی۔ مولانا عبد العلی، بحر العلوم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تحقیق جو شاہ صاحب نے لکھی ہے ہمیں معلوم نہ تھی۔ شاہ رفیع الدین نے اس کا جواب تحریر کرنے کی کوشش کی مگر نہ لکھ سکے۔ شاہ فخر الدین نے یہ کتاب جستہ جستہ اپنی مجلس میں سنوائی اور صاحب مناقب فخریہ نے اس کا نام فخر الحسن تجویز کیا، جس کو آپ نے بہت پسند فرمایا۔[20]

فخر الحسن کے حوالوں میں تاریخ صغیر بخاری، تہذیب الکمال مزی، شروط ائمہ حازمی، تہذیب الاسماء، سنن کبری بیہقی، تاریخ خطیب بغدادی، حلیۃ الاولیاء، تقریب نووی، تاریخ الاسلام ذھبی، مرآۃ الجنان یافعی، سنن دار قطنی، کتاب الثقات ابن حیان، فتح الباری، تدریب الراوی کے حوالے ملتے ہیں، جن سے آپ کے علمی و تصنیفی تبحر کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ آپ کے چند خطوط بھی ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک خط مناقب المحبوبین میں محفوظ ہے۔ اس خط میں اتباعِ شریعت کی تلقین اور وحدت الوجود کے نکات کا بیان ہے۔ فخر الطالبین میں مذکور ہے کہ شاہ صاحب نے ارادہ فرمایا کہ وحدت الوجود پر کلام کرتے ہوئے ایک مربوط تصنیف پیش کی جائے، جس میں شیخ اکبر کے کلام کی صراحت کو بیان کیا جائے لیکن بعد میں اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ عوام الناس شیخ اکبر کے کلام میں خلط مبحث کا شکار رہیں گے اور معاملہ عقائد کے بگاڑ تک جا پہنچے گا۔[21]

---

[19] سر سید، آثار الصنادید، 33۔

[20] نظام الملک، مناقب فخریہ، 98۔

[21] حسینی، فخر الطالبین، 77۔

شیخ کی ان تدریسی خدمات سے سماجی مسائل کا حل یعنی لوگوں میں سنت و حدیث کی تعلیم کو عام کرنا اور عقائد کے بگاڑ میں اصلاح کرنا واضح ہوتا ہے۔

سماجی رویوں کی صلاح اور اصلاح تصوف

شاہ فخر الدین دہلوی نے جس وقت مسند ارشاد و تلقین پر ذمہ داری سنبھالی تو مسلمانانِ ہند تنزل و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکے تھے۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی، ہر شخص توہم پرستی میں گرفتار تھا۔ اعمال، تعویز گنڈوں اور توہمات پر اعتقاد حد سے زیادہ تھا، اس نے عمل کی طاقت کو سلب کر لیا تھا۔ زندگی جمود مرگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مذہب سے ناواقفیت عام تھی۔ قرآنِ مجید کی زبان کو کوئی جانتا نہ تھا۔ اور کتاب اللہ محض تبرک کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر شاہ ولی اللہ نے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ شاہ فخر الدین نے خطبہ جمعہ کو عربی میں بیان کرنے سے پہلے اردو میں خطبہ دینے کا مشورہ دیا۔ اور یہ برصغیر میں مابعد لوگوں نے آپ ہی کی اتباع میں اردو یا کسی بھی مقامی زبان میں خطبہ شروع کیا: پس اگر خطبہ بہ لفظ ہندی دریں مملکت خوانده شود برائے چیزے کہ موضوع است حاصل می شود الا برائے سائر الناس فائده ندارد کہ از زبان عربی واقف نیستند۔[22] "اگر ہندوستان میں خطبہ ہندی زبان میں پڑھا جائے تو اس کا اصلی مقصد حاصل ہو جائے۔ ورنہ عوام کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ وہ تو عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے۔" یہ شاہ فخر الدینؒ کا تفرد اور اجتہادی فیصلہ تھا۔ جو کہ خطبے کی اصل منشا کے عین مطابق تھا، کیونکہ یہ سب باتیں دراصل اس لیے تھیں کہ عوام مذہب کی حقیقت و ماہیت کو سمجھیں۔ شاہ فخر الدین کے زمانے میں تعویز گنڈوں پر عوام بہت زیادہ یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے عوام کو بہت زیادہ وظائف وغیرہ بتانے سے گریز کیا اور عملِ صالح بر سنت نبوی ﷺ کی ہی تلقین کی۔ جس کسی کو کچھ بتانا ہو تا تو مناسب موقع پر بتا دیتے، لیکن عام طور پر اعمال بتانے سے پرہیز کرنے اور اگر کسی کو عمل بتاتے بھی تو صرف حدیث شریف سے عمل بتاتے: "اکثر اعمال حضرت مولانا از حافظ جیو سند دارند و صحتِ حدیث۔"[23] سید نور الدین فخری کے پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ میں پہلے ہی لوگوں کو بہت کم عمل بتاتا تھا کیونکہ لوگوں کا ایقان ہو گیا تھا کہ مرید ہو جانے کے بعد بس جو ہم چاہیں گے شاہ صاحب عمل بتائیں گے اور اس سے کام ہو جائے گا تو عام لوگوں کے اس ایقان پر کاری ضرب لگانے کے لیے میں نے یوں اوراد و اعمال بتانا ختم کر دیا۔ آپ نے اِس ضمن میں یوں تنبیہ فرمائی کہ: درکار خانہ خُدائے مداخلت نہ کنیم حق تعالیٰ ہر چہ خواستہ باشند بکند۔[24] "اللہ کے گھر کے معاملات میں مداخلت نہ کرو اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

اس زمانے میں ایک سماجی رویہ یہ بھی پایا جاتا تھا کہ لوگ بیک وقت سلوک میں ایک سے زیادہ سلاسل پر چلنے کی بھی کوشش کرتے تھے اور اپنے آپ کو مشکل میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو اس طرز عمل سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ صرف ایک سلسلے کے معمولات کو شریعت کے عین مطابق مکمل کر لیا جائے تو یہی کافی ہے۔ اسی طرح لوگ سماع میں بھی خرافات کے قائل ہو چکے تھے۔ اور سماع سے متعلق مسمع اور مسمع بہ کی جو شرائط خواجہ نظام الدین نے عائد کی تھیں ان کو یکسر بھول چکے

---

[22] حسینی، فخر الطالبین، 46۔

[23] حسینی، فخر الطالبین، 52۔

[24] حسینی، فخر الطالبین، 115۔

تھے۔ ایک بار آپ نے دیکھا کہ خواجہ نظام الدین کے عرس کے موقع پر سماع ساز و سرنگی کے ساتھ اور ناچ کے ساتھ ہو رہا ہے، تو وہاں موجود صوفی یار محمد کو گریبان سے پکڑا اور سخت گیر ہو کر فرمایا کہ ہمارے بڑوں نے سماع کی اس حالت کو مکروہ تحریمی قرار دینے میں خونِ جگر لگایا ہے اور تم نے پھر وہی بدعات و خرافات شروع کر رکھی ہیں۔[25] چنانچہ مختلف سماجی رویوں کی اصلاح اور تصوف سے متعلقہ معاشرے میں موجود مختلف مسائل کے حل کے لیے خواجہ فخر الدین نے جس نازک دور میں کام کیا اُس کی مثال نہیں ملتی۔

اتباعِ سنت کی ترغیب

جس وقت شاہ فخر الدین دہلوی نے مسند ارشاد کو سنبھالا اس وقت بہت سے علما اور صوفیہ دہلی میں موجود تھے، مگر ان میں سے زیادہ تر ایسے تھے جو اتباعِ شریعت کو بھول چکے تھے۔ ان صوفیۂ خام کے خطرے سے شاہ صاحب نے معاشرے کو آگاہ کیا اور بچنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب کثیر تعداد میں بظاہر صوفی کہلوانے والے شریعت و سنت سے اعراض کر چکے تھے۔ صاحب فخر الطالبین لکھتے ہیں کہ: بہر اہل الله ہر کس را کہ نصیب دست دبد قول و فعل اور قال الله وقال الرسول انگارد۔[26] "اہل اللہ ہر شخص کے لیے قول و فعل کے ساتھ قال اللہ و قال الرسول کو معیار بنائیں۔" چنانچہ شاہ صاحب نے اتباعِ سنت کی عملاً یوں تلقین کی کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت کو اپنانا بھی اپنا وطیرہ بنالیا۔ چنانچہ وضع قطع، لباس، اعمال و عادات سب کچھ سنت کے مطابق کر لیا۔ تقریر کرتے تو وہ بھی سنت کے مطابق۔ مسئلہ وحدت الوجود پر ان کا ایمان تھا، مگر اس سے متعلق عامۃ الناس میں بحث کرنا نامناسب سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے وحدت الوجود کے بیان میں خلطِ مبحث کی بنا پر لوگ شرک کی طرف رغبت اختیار کرتے ہیں، جب کہ ابن عربی کا یہ کلام خواص ہی کے لیے ہے اور انھی میں اس کو بیان کرنا چاہیے۔ مناقب فخریہ میں ہے کہ: در امور جزوی و کلی اتباع سنت نبویؐ وبہ بندگان نیز دریں امر تاکید کند۔[27] "جزوی اور کلی امور میں لوگوں کو اتباعِ سنت کی تاکید کر دیں۔" آپ چھوٹی اور بڑی تمام باتوں میں خود اتباعِ سنت کرتے اور اسی کی تاکید بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ کھانے کے لیے بیٹھنے لگے تو بیٹھ کر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ اسی طرح بیٹھتے تھے۔ اسی طرح خواب سے بیداری کے بعد مسواک کی اور ہر وضو میں مسواک کی تلقین فرماتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ خوشبو کی تلقین فرمائی تو نہایت محبت بھرے لہجے میں فرمایا کہ نبی رحمت ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ ایک مرتبہ اپنا جنگ کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جنگ کے دوران آنکھوں میں بارود کے اثر سے نقصان ہوا مگر چونکہ میں نے سُرمہ استعمال کیا تو اتباعِ سنت کی برکت سے بینائی کو نقصان نہیں پہنچا۔[28] ایک جگہ مریدین کو اتباعِ سنت کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

---

[25] نظام الملک، مناقب فخریہ، 81۔

[26] حسینی، فخر الطالبین، 2۔

[27] نظام الملک، مناقب فخریہ، 40۔

[28] حسینی، فخر الطالبین، 101۔

درود لے که درحدیث شریف آمده ہموں رانجوانند بطرف چیز ہائےدیگر رجوع نکنند دبه مذهب حنفی تعصب می کننده بطرف حدیث بسیار رجوع دارند۔[29]

حدیث شریف میں جو درود آیا ہے اُسی کو پڑھیں دوسری طرف کی چیزوں کی طرف رجوع مت کریں۔
مذہب حنفی پر مضبوطی سے قائم رہیں حدیث کی طرف کثرت سے (ہر معاملے میں) رجوع کریں۔

چنانچہ وہ وقت کہ جب صوفیۂ خام و علما سو بھی حدیث پاک کی طرف نہ آتے اور اتباعِ سنت کی بجائے لوگوں نے بدر سومات کو اختیار کیا عین اس وقت میں شاہ صاحب نے ہر چھوٹی سے چھوٹی سنت کو اپنا کر عملاً ثبوت دیا کہ سنت کی اہمیت یہ ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی سنت ہی کو مقدم رکھا جائے۔

خلاصہ بحث

برصغیر پاک وہند کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی تنزل وانحطاط کے دور میں صوفیۂ چشت میں سے خواجہ فخر الدین دہلوی نے غلط اور خطرناک سماجی رویوں کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔ سماج کا ایک رویہ غلبۂ جہل اور علوم دینیہ سے دوری تھا۔ خواجہ صاحب نے علوم کی ترویج کے لیے درس وتدریس کا ایک ایسا سلسلہ رائج کیا، جس کے دوررس نتائج مرتب ہوئے اور لوگوں میں دین سے واقفیت کے مواقع پیدا ہوئے۔ آپ نے لوگوں کے عقائد سے توہم پرستی کو دور کیا؛ حدیث اور سنت سے بے اعتنائی برتنے والوں کو ذاتِ رحمت للعالمین کے قریب کیا؛ یہ شعور اُجاگر کیا کہ اصلی ایمان کیا چیز ہے اور بندۂ مومن کا اپنے رب سے کیا تعلق ہے! سماج میں بے اعتدالی کی ایک بڑی وجہ حکمران طبقہ خود تھا، خواجہ فخر الدین دہلوی نے شاہی محلات تک خیر اور اصلاح کا پیغام پہنچایا اور حکمرانوں کو اُن کی ان کمزوریوں سے آگاہ کیا، جن کی بناپر معاشرہ سیاسی تنزلی کا شکار ہو رہا تھا۔ خواجہ فخر الدین دہلوی نے قابلِ قدر تصنیفی کام بھی کیا۔ اجودھن کے لوگوں نے آپ سے فرمایش کی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں جس میں روافض کے عقائد کا رد کیا جائے، اور اہلِ سنت کے عقائد کو عباراتِ حنفیہ سے واضح کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے "نظام العقائد" تحریر کی، جس میں نہایت عمدگی اور اختصار سے اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کرتے ہوئے معتزلہ اور روافض کے عقائد کا بطلان اور عقائدِ اہلِ سنت کا اثبات کیا۔ آپ نے بین المذاہب اور بین المسالک ہم آہنگی پیدا کر کے معاشرے کو بدامنی سے بچانے کی سعی کی۔ دہلی کی مسلم معاشرت میں ایک پریشان کن داخلی امر شیعہ سُنی فسادات کے حوالے سے تھا، یہ معاملہ اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ حضرت مظہر جانِ جاناں کی شہادت اِسی داخلی مسئلے کی وجہ سے ہوئی۔ خواجہ فخر الدین دہلوی نے اِس مسئلے کے حل کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کی محنتوں کی وجہ سے سماج میں عدم برداشت کے رویے کی اصلاح میں بہت مدد فراہم ہوئی۔

---

[29] حسینی، فخر الطالبین، 144۔